اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

دُرِ ثمین بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار ...یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کُن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط ۱۱

زندگی نے انہیں اتنے بھیانک موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ آگے کنواں اور پیچھے کھائی والی مثال بن چکی تھی۔

''خدا کے لیے زویا، اپنے دل کو سمجھا...... زارا ٹھیک کہہ رہی ہے اگر تو نکاح کے لیے نہ مانی تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ گلو تیرا اکلوتا بھائی ہے، نادانی اور روپے پیسے کے لالچ میں وہ کچھ غلطیاں کر بیٹھا ہے...... اگر ہم نے اسے جیل میں گلنے سڑنے دیا تو وہ اور بڑا مجرم بن جائے گا۔ میری بچی، گلو کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو چکا ہے وہ بہت شرمندہ ہے...... اور تیرا بہنوئی، اس پر بھی وہ تھانے دار کوئی جھوٹا کیس بنا کر پھنسا دے گا...... تیری بہن اپنے چار بچوں کے ساتھ کس کے آسرے پر زندگی گزارے گی؟ تجھے اپنے ابا کا واسطہ، اپنے بھائی اور بہنوئی کی خاطر یہ رشتہ قبول کرلے میری بچی...... ورنہ تیری ماں جو پہلے ہی ایک زندہ لاش بن چکی ہے اس کی بچی کھچی سانسیں بھی ختم ہو جائیں گی۔'' اب سیما بیگم بھی جذباتی انداز میں بولتیں، زویا کے آگے ہاتھ جوڑے رو رہی تھیں...... زویا نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے تھے اور خود بھی رونے لگی تھی۔

اندر کمرے میں بیٹھی سارہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس کے ہاتھ میں اسجد کا دیا ہوا موبائل تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے اسجد کا موبائل نمبر بند جا رہا تھا...... سارہ اپنی جگہ انتہائی پریشان تھی...... روز بروز اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ ابھی تو گھر والے اپنی ہی پریشانیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ سو وہ ابھی اپنے گناہ کو سب سے چھپائے ہوئے تھی مگر زیادہ دن تک وہ اپنی یہ ''حالت'' نہیں چھپا سکتی تھی۔

اس نے فون پر حنا سے تمام معاملہ بیان کیا تھا اور اس کو اسجد سے رابطہ کرنے کی درخواست کی تھی مگر ابھی حنا نے اسے میسج کر کے اطلاع دی تھی کہ اس کا بھی اسجد سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا۔ سارہ کے دل میں فوراً گل افشاں کا خیال آیا تھا، وہ جس علاقے اور جس کلینک میں بطور نرس کام کرتی تھی۔ سارہ نے اس علاقے اور کلینک کا نام حنا کو میسج کی صورت میں سینڈ کر دیا تھا اور حنا سے درخواست کی تھی کہ وہ کسی بھی طرح گل افشاں سے اسجد کے بارے میں معلومات حاصل کرلے اور اسجد کو سارہ سے رابطہ کرنے کی درخواست کرے۔

☆☆☆

''ابا آپ کیوں چلے گئے، ہمیں چھوڑ کر؟ آپ نے کیوں بے آسرا کر دیا ہمیں؟ دیکھیں زندگی کیا، کیا سزائیں دے رہی ہے ہمیں؟ کیا، کیا ظلم ڈھا رہی ہے ہم پر...... اماں جو ہر وقت آپ سے لڑتی جھگڑتی تھیں، آپ کی ہر بات کو جھٹلایا کرتی تھیں آج وہی اماں آپ کو یاد کر، کر کے روتی ہیں۔ آپ کی ایک، ایک بات کو سچ سمجھتی ہیں...... ابا ہم اس دنیا سے چلے جانے والوں سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں، وہ محبت ہم ان کو اس دنیا میں کیوں نہیں دیتے۔ جس کے وہ حق دار ہوتے ہیں۔'' زویا ہاتھ میں شاکر حسین کی تصویر پکڑے بیٹھی تھی اور ان کی تصویر سے پاگلوں کی طرح باتیں کرتے ہوئے رو رہی تھی۔

''ابا آپ بہت یاد آتے ہیں...... میں کتنی بدنصیب ہوں، میں نے آپ کو اپنی نظروں کے سامنے موت سے لڑتے ہوئے دیکھا اور میں سمجھ نہ سکی، میں سوچا کرتی تھی جس دن آپ کو کچھ ہوا اس دن میں بھی زندہ نہیں رہ پاؤں گی...... مگر نہ جانے کیوں میں کیسے اور کس لیے زندہ ہوں؟ ابا یہ دنیا کہتی ہے مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا...... مگر کہنے والے یہ نہیں جانتے کہ جن کے پیارے رشتے انہیں چھوڑ جاتے ہیں وہ زندہ ضرور ہوتے ہیں مگر ان کے اندر ''زندگی'' ضرور مر جاتی ہے۔ ہماری خوشیاں اور ہماری زندگی بھی ابا آپ کے ساتھ ہی مر گئی ہے۔'' زویا، باپ کی تصویر پکڑے بدستور رو رہی تھی جب کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا اور آنے والے نے اس کے کندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ دیا تھا...... زویا نے فوراً پلٹ کر دیکھا تو وہ خضر تھا۔

''خضر......'' زویا نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے...... جیسے کوئی بچہ اندھیرے میں ڈر کر ساتھ چلنے والے کا ہاتھ پکڑ

لیتا ہے۔

''خضر مجھے تمہاری ضرورت ہے، پلیز مجھے بچالو...... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' خضر نے تاسف سے اسے دیکھا...... پے در پے پریشانیوں نے اسے کملا کے رکھ دیا تھا۔ وہ آج کئی دن کے بعد اپنی ماں سے چھپ کر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں آیا تھا۔

''حوصلہ رکھو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' خضر نے اس کے ہاتھ دباتے ہوئے تسلی دی تو وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''وہ نہیں...... نہیں خضر اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا، اب برا ہوگا اور بہت برا ہوگا۔'' وہ پلنگ سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی رو رہی تھی۔

''ایس ایچ او نے اماں سے میرا رشتہ مانگا ہے اور اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس سے نکاح نہ کیا تو وہ گلو اور خالد بھائی کو ایسے، ایسے کیسوں میں الجھائے گا کہ ساری عمر وہ دونوں رہائی نہ پا سکیں گے۔''

خضر اس نئے انکشاف پر حیران ہوا۔

''اماں اور زارا باجو مجھے اس نکاح کے لیے مجبور کر رہے ہیں، خدا کے لیے خضر کہیں سے تین لاکھ کا بندوبست کر دو...... جونہی مجھے کوئی اچھی نوکری ملے گی، میں کمیٹیاں ڈال کر تمہارا قرض اتار دوں گی۔'' زویا نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے خضر سے التجا کی۔

''تین لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں ہے، ہم جیسے غریب لوگوں کے لیے بہت بڑی رقم ہے یہ...... تم اچھی طرح جانتی ہو زویا...... ابھی تین مہینے پہلے ہی میں نے سمیعہ (بہن) کی شادی کی ہے، میں تو خود ابھی قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں۔'' خضر پریشان ہو گیا تھا۔

''تم...... تم اپنے آفس سے لون لے لو...... کچھ کرو خضر...... پلیز۔'' وہ آج از حد مایوس اور دل گرفتہ تھی۔

''زویا میں اپنے آفس سے سمیعہ کی شادی پر لون لے چکا ہوں، یقین کرو میں خود بہت مجبور ہوں اور...... اور بہت شرمندہ بھی...... کہ رقم کے سلسلے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا......'' خضر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

زویا اس کی مجبوری کی داستان سن کر یک دم خاموش ہو گئی تھی...... اسی اثنا میں کسی نے گھر کا دروازہ پیٹا...... زارا نے دروازہ کھولا تو نگہت بیگم تن فن کرتی اندر داخل ہوئیں...... خضر گھبرا کر باہر نکلا۔

''السلام علیکم پھپو!'' زارا نے انہیں سلام کیا...... مگر انہوں نے سلام کا جواب بھی دینا گوارا نہ کیا۔

''اچھا تو میرا شک صحیح ثابت ہوا۔'' نگہت بیگم نے غصے سے بیٹے کو دیکھا۔ خضر کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

نگہت کی آواز سن کر ساتھ والے کمرے سے سیما بیگم اور سارہ بھی باہر نکل آئی تھیں۔

''خضر میں نے تجھے یہاں آنے سے جب منا کر رکھا ہے تو پھر کیوں آتا ہے تو یہاں؟'' وہ نہایت غصے میں تھیں۔

''امی...... وہ دراصل، میں، وہ......'' خضر گڑبڑایا۔

''کیا وہ...... ؟ میں، دراصل؟ کتنی بار تجھے سمجھایا ہے کہ جان چھوڑ دے اب ان لوگوں کی...... ہمیں کوئی رشتے داری نہیں رکھنی ان جیسے بدنام لوگوں سے...... پھر تو کیوں آجاتا ہے ان کے پاس؟''

''پھپو یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' زارا کو تو جیسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا...... زویا اندر کمرے میں جس جگہ پر کھڑی تھی وہیں اس کے قدم جکڑ کر رہ گئے تھے...... سیما بیگم اور سارہ بھی بے یقینی سے نگہت بیگم کو دیکھ رہی تھیں...... سیما بیگم کا تکبر اب ان کے اپنے ہی منہ پر طمانچے مار رہا تھا۔

''وہی کہہ رہی ہوں جو ساری دنیا کہہ رہی ہے تم لوگوں کے بارے میں...... میں جوان بیٹیوں کی ماں ہوں

آخر کس، کس کی سسرال میں اپنی بہو کے چور اور ڈکیت بھائی کے کرتوتوں پر پردے ڈالوں گی۔'' نگہت بیگم کی بلند آواز سے بولتے سچ نے تمام نفوس کو خاموش کروا دیا تھا۔

''نگہت یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ گلو کے جرم کی سزا ہم سب کو مت دو۔'' سیما بیگم کے لبوں سے نہ جانے کیسے یہ التجا نکلی۔

''بس، بس سیما...... میری زبان مت کھلوانا، ساری زندگی تم نے میرے شریف النفس بھائی کی عزت اور قدر نہ کی...... میرے بھائی کو ہمیشہ طعنے تشنے اور کوسنے دے کر زندگی گزارتی رہیں...... اس کی زندگی میں ہی کبھی ہمارے خاندان سے ملا کر رکھی پھر گلو کو شہہ دے، دے کر اسے مجرم بنا دیا جب تمہارا بیٹا حرام کی کمائی تمہیں کھلا رہا تھا تو کیسے مجھے اور میرے خضر کو دیکھ کر تم ناک بھوں چڑھاتی تھیں، تم بھول گئیں...... مگر مجھے یاد ہے اچھی طرح...... میرے دل پر لکھے ہیں تمہارے تکبرانہ انداز اور جملے اب جب زمانے بھر کی کالک گلو نے تمہارے منہ پر مل دی تو تمہیں ہماری یاد آ گئی...... ہمیں نہیں جوڑنی تم جیسے بدنام لوگوں سے رشتے داری...... جس بھائی کے منہ سے میں نے یہ رشتہ جوڑا تھا وہ ہی اس دنیا سے جا چکا اور تم لوگ بھاڑ میں جاؤ میری بلا سے...... ابھی میں نے ایک بیٹی بیاہی ہے اس کی سسرال میں گلو کے کرتوت پہنچ چکے ہیں اور میری بیٹی اپنے سسرال والوں کے سوالوں کے جواب دے، دے کر ہلکان ہو گئی ہے...... ابھی دو اور بیٹیاں بیاہنی ہیں میں نے...... معاف رکھو مجھے ایسی گھٹیا اور بدنام رشتے داری سے۔'' نگہت بیگم نہایت غصے میں نان اسٹاپ سیما بیگم کو کھری، کھری سناتے ہوئے حقیقت کا آئینہ دکھا رہی تھیں۔

اب سیما بیگم بالکل خاموش کھڑی تھیں کیونکہ نند جو کہہ رہی تھی وہ غلط ہرگز نہیں تھا...... زمانے کے طمانچوں کے ساتھ شاکر حسین کی کہی ہوئی باتیں سیما بیگم کے چاروں اطراف گونج رہی تھیں۔ وہ اکثر شاکر حسین کے منہ سے یہ بات سنا کرتی تھیں۔ ''جوانی میں کی ہوئی غلطیاں انسان کو بڑھاپے میں بڑا رُلاتی ہیں، ناشکری کی عادت چھوڑ کر حلال کی تھوڑی کمائی پہ خوش رہنا سیکھو...... تمہاری یہ ناشکری تمہارے بڑھاپے میں ذلیل کرے گی۔'' اور آج وہ دن آ گیا تھا۔

''امی پلیز...... بس بھی کریں، اس سارے معاملے میں زویا کا کیا قصور ہے؟'' خضر ہمت کر کے ماں سے مخاطب ہوا مگر آج نگہت بیگم بھی فیصلہ کر کے ہی یہاں آئی تھیں۔

''قصور ہے یا نہیں...... بس میں اور کچھ نہیں جانتی...... اگر آئندہ تم نے ان بدنام لوگوں کے گھر میں قدم رکھا تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے اپنا رشتہ توڑ بیٹھو گے...... سمجھے تم!'' انہوں نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنایا۔

''مگر امی...'' خضر نے انہیں روکنا چاہا۔

''تم چپ کرو...... کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ان کی حمایت میں بولنے کی...... اور ہاں سیما بیگم، میں آج سے زویا اور خضر کا رشتہ ختم کرتی ہوں، چلو خضر......'' نگہت بیگم جس طرح جلال اور غصے میں آندھی طوفان بن کر آئی تھیں خضر کا بازو پکڑ کر اسی طرح باہر بھی نکل گئی تھیں...... شاکر حسین کے گھر میں اس وقت جو جہاں کھڑا تھا حیرت سے کوئی اپنی جگہ سے ہل تک نہیں پایا تھا...... زندگی اپنا بھیانک رخ انہیں دکھا رہی تھی۔

گھر میں مکمل سناٹا چھا چکا تھا...... جیسے طوفان آ کر گزر جاتا ہے تو اس کے بعد خاموشی چھا جاتی ہے۔ ویسی ہی دل سوز خاموشی چھائی ہوئی تھی ان سب کے اندر بھی اور باہر بھی...... صرف سارہ کا زندہ بچ جانے والا اکلوتا طوطا تھا جس نے پنجرے میں شور مچا رکھا تھا۔ شاید بھوک سے وہ بھی چلا رہا تھا۔

اتنی مشکلات آنے اور اتنے غموں کو سہنے کے باوجود...... اس کا دل دھڑکنا نہیں بھولا تھا کیونکہ خضر کی محبت اور اس کا ساتھ زویا کے ساتھ، ساتھ تھا مگر اب شاید اس کا دل بھی دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ دل اب پتھر بن گیا تھا۔ بے حس ہو گئی تھی وہ خود بھی...... ایک خود غرضی سی تھی جو اس کے حساس دل میں عود آئی تھی...... خضر سے رشتہ ٹوٹنے کی صورت

میں مرتو وہ گئی ہی تھی مگر اب اسے اپنی زندگی کے کچھ نئے فیصلے کرنا تھے، وہ فیصلے جو اس نے اپنے پتھر دل میں ٹھان لیے تھے...... زندگی نے تو جانے اس سے اس کے کس گناہ کا بدلہ لیا تھا۔ اب اسے خود اس زندگی کی ایسی کی تیسی پھیرنی تھی...... اسے خود اس زندگی سے انتقام لینا تھا...... ان تمام افراد سے بدلہ لینا تھا جن کی وجہ سے اس کی زندگی اس موڑ پر آئی تھی کہ اس سے اس کی لڑکپن کی محبت تک چھین لی گئی تھی۔

اگلے دن اس نے اپنے بیگ سے اسی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا کارڈ نکالا تھا...... ہاتھ منہ دھونے کے بعد اس نے کپڑے چینج کیے اور چادر لے کر گھر سے نکلنے لگی۔

''زویا کہاں جا رہی ہے؟'' سیما بیگم پریشانی میں اس کے پیچھے گھر کے دروازے تک آئیں کیونکہ آج سے پہلے وہ جہاں بھی جاتی تھی سیما بیگم کو بتا کر جاتی تھی مگر آج وہ انہیں کچھ بتائے بغیر گھر سے نکل رہی تھی۔

''آپ کے بیٹے اور داماد کو بچانے اور خود مرنے جا رہی ہوں۔'' زویا نے دل میں سوچا...... مگر کہا نہیں۔

''ایس ایچ او کو پیغام بھجوا دیں اگلے دو دن میں اسے تین لاکھ مل جائیں گے۔'' زویا نے گھر کا دروازہ کھولا۔

''مگر کیسے اور کہاں سے؟'' سیما بیگم حیران ہوئیں۔

''آ کر بتاؤں گی ابھی جلدی ہے مجھے۔'' وہ مختصر جواب دے کر گھر سے باہر نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سارہ بھی چادر لیے باہر جانے لگی تو سیما بیگم کو ازحد حیرت ہوئی۔

''اب تم کہاں منہ اٹھائے جا رہی ہو؟''

''اماں میں حنا کی طرف جا رہی ہوں...... اسے مجھ سے ایک ضروری کام ہے، میرا اس کے پاس جانا بہت ضروری ہے۔'' سارہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''تو حنا وہ ضروری کام یہاں آ کر بھی تو کر سکتی ہے...... تجھے اس کے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اماں ابھی آ جاؤں گی...... آپ فکر مت کریں، میں یوں گئی اور یوں آئی۔'' سارہ نے انہیں تسلی دی اور باہر نکل گئی۔

''دونوں ہی آگے پیچھے گھر سے نکل گئیں...... معلوم نہیں خیر زارا تو ایک کپ چائے ہی بنا کر دے، میرے سر میں بہت درد ہے لگتا ہے بلڈ پریشر ہائی ہے میرا۔'' سیما بیگم سر تھامے کمرے میں آ گئیں۔ زارا اپنے ننھے سے بیٹے کے کپڑے بدل رہی تھی۔

''اماں دودھ ختم ہو گیا ہے، نمرہ کو پیسے دو وہ دکان سے دودھ کا ڈبا لے آئے۔'' زارا نے ان کی بات کے جواب میں اپنی ضرورت بتائی۔

''دیتی ہوں، ایک آخری سو کا نوٹ بچا ہے۔'' سیما بیگم دل گرفتہ سی الماری کی طرف بڑھیں۔

☆☆☆

زویا ایڈورٹائزنگ ایجنسی پہنچی تو ریسپشنسٹ نے اسے انتظار کرنے کو کہا۔ پندرہ منٹ انتظار کروانے کے بعد ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے مالک فرقان صاحب سے ملنے کا عندیہ دے دیا گیا تھا۔

''السلام علیکم!'' فرقان صاحب کے خوب صورت آفس میں داخل ہو کر اس نے پُراعتماد انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام...... آپ وہی ہیں ناں جو یہاں بطور ریسپشنسٹ انٹرویو دینے آئی تھیں اور میں نے آپ کا فوٹو جینک چہرہ دیکھ کر آپ کو ماڈلنگ کا مشورہ دیتے ہوئے اپنی ایجنسی کے ساتھ بطور ماڈل کام کرنے کی آفر کی تھی جس پر آپ نے بری طرح سے ری ایکٹ کرتے ہوئے میری اچھی خاصی بے عزتی بھی کر ڈالی تھی۔'' ریوالونگ چیئر پر بیٹھے پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے تینتیس، چونتیس سالہ فرقان صاحب نے اسے اپنے سامنے ٹیبل کے دوسری طرف چیئر پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کچھ یاد دلایا۔

شہ رگ سے قریب

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

عشق کی ویسے تو کئی اقسام ہیں مگر میرے نزدیک پہلی قسم وہ ہے جس میں آپ صرف محبت کرتے ہیں اور اپنے محبوب کی رضا کی خاطر سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ عشقِ حقیقی کو سمجھنا بہت مشکل ہے مگر جب سمجھ آجاتا ہے تو اس سے آسان کچھ نہیں لگتا...... عشقِ حقیقی ہو یا مجازی ہر صورت ہم محبوب کی چاہت اور رضا کے طلبگار رہتے ہیں۔

اصل خوشی محبوب کی خوشی میں ہوتی ہے، اس کی چاہت میں دل کا سکون ہوتا ہے۔ اس کو پانے کے لیے اپنی ذات کی ہر قدم پر نفی کرنی ہوتی ہے۔ جب کہیں جا کر عشق کے امتحان میں کامیابی ملتی ہے۔ اور اگر محبوب ایسا ہو تو کیا بات ہے کہ جس کی طرف ایک قدم بڑھاؤ تو وہ خود دس قدم آگے بڑھ کر ہمارے راستے آسان کردے۔

جب اس ذاتِ والا صفات کو سب کچھ مان لیا، پہچان لیا کہ اس سے زیادہ ہمارا بھلا چاہنے والا کوئی نہیں تو پھر اس سے بھاگنا کیسا...... اس کے احکامات سے روگردانی کیسی؟ جب دل سے بندگی کا اقرار کرلیا تو پھر سرِ تسلیم خم ہے۔ راہِ وفا میں مشکلات آئیں گی مگر مشکل کشا کا ساتھ ہے پھر گھبرانا کیسا؟ بیچ راستے سے پلٹنا کیسا؟ جب وہی منزل ہے تو راستے کی طوالت سے بھاگنا کیسا؟ ایسا چاہنے والا کس کے نصیب میں ہے، ایسا دیالو جو بس نوازتا ہے اور ہم سے صرف وہی چاہے جس میں خود ہماری بھلائی ہو، فلاح ہو، خیر ہو...... یہ بڑے نصیب کے ہیں فیصلے...... یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

اور یقیناً بڑے نصیب والے ہیں وہ لوگ جو اپنے محبوب رب کے محبوب مہینے کو پاتے ہیں تو اس ماہ کے ایک، ایک لمحے سے مستفید ہوتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت سنوار لیتے ہیں۔

ایمان کی حقیقت کا مزہ تو اسی کو حاصل ہوتا ہے جو سب رشتے ناتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ پاکؐ سے محبت کرے، اس کے احکام کی پیروی کرے۔ نبی محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے آخری دن فرمایا۔ ”اے لوگو تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ کر رہا ہے اس میں قدر کی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کردیے ہیں اور رات کا قیام نفلی ہے۔ جس نے اس ماہ میں ایک نیکی کی بات کی گویا اس نے

”جی میں وہی ہوں، ویسے حیرت ہے آپ نے مجھے پہچان لیا؟“ زویا چیئر پر بیٹھتے ہوئے قدرے شرمندہ ہوئی۔

”مجھے خوب صورت چہرے کبھی نہیں بھولتے...... بٹ سوری مس زویا آپ جس سیٹ کے لیے انٹرویو دینے آئی تھیں آپ نے یہاں آنے تک دیکھ ہی لیا ہوگا کہ وہ سیٹ فل ہو چکی ہے۔“

”میں بطور ماڈل آپ کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔“ زویا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے انکشاف کیا۔

”چند مہینے پہلے تو آپ نے میری اس آفر کو بری طرح سے رد کردیا تھا؟“ وہ حیرت سے بولے۔ ان کا انداز جتانے والا تھا۔ زویا کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”وقت سے بڑی ظالم شے کوئی نہیں اس دنیا میں...... یہ کب، کیسے اور کیوں انسان کی ترجیحات کو بدل دیتا ہے کوئی نہیں جانتا...... بہر حال میں نے اس وقت انکار کیا تھا...... اب میں خود آپ کی اس آفر کو قبول کرتی ہوں۔“ زویا نے اعتماد سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو اپنا فیصلہ سنایا۔

”Well that,s very good news یقیناً ماڈلنگ کی دنیا میں تم ایک خوب صورت

دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا اور جس نے دوسرے مہینے میں ستر فرض ادا کیے، وہ رمضان کے ایک فرض کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ غم خواری کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ایماندار کی روزی فراخ کردی جاتی ہے۔ جس نے اس ماہ کسی روزے دار کا روزہ کھلوالیا، اس کے لیے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ہے اور اس کے گناہوں کی معافی ہوگی۔ اور اسی ماہ ایک رات (لیلتہ القدر) ایسی آتی ہے کہ جب ندائے غیبی آتی ہے۔

''اے بھلائی کے طلب گارو آگے بڑھو، برائی کے طلب گارو پیچھے ہٹو، ہے کوئی بخشش مانگنے والا تاکہ اسے بخش دیا جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا تاکہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔'' اس ماہ ہر شب اللہ تعالیٰ دوزخ سے دس لاکھ گناہ گاروں کو آزاد فرماتا ہے جن پر عذاب لازم ہو چکا تھا۔

آپ کا فرمان ہے میری امت کو رمضان کے مہینے میں پانچ باتیں عطا ہوئیں جو پہلے کسی امت کو عطا نہیں ہوئیں۔

1۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

2۔ فرشتے ان کے لیے استغفار یعنی دعائے مغفرت و بخشش کرتے ہیں۔

3۔ اس ماہ شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔

4۔ اللہ پاک روز جنت کو آراستہ فرماتا ہے اور یہ فرماتا ہے قریب ہے کہ میرے بندوں سے تکلیف و کمزوری دور ہوجائے۔

5۔ آخری رات میں ان توبہ کرنے والوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اس کی گردن آتشِ دوزخ سے آزاد کردی جاتی ہے اور روزے دار کے روزے کا ثواب کم کیے بغیر افطار کرانے والے کو بھی روزے دار کے برابر ثواب ملے گا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم میں سے ہر ایک کی استطاعت اتنی نہیں ہے کہ افطار کرائے، آنحضورؐ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو اجر مرحمت فرمائے گا جس نے ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے بھی روزہ کھلوایا۔'' یہ مہینہ ایسا ہے جس کا پہلا حصہ رحمت ہے اور جس نے اس مہینے میں اپنے غلام یعنی (نوکر ملازم پر بھی) آسانی کی اللہ پاک اسے بخش دے گا۔ اور جہنم سے آزادی عطا فرمائے گا۔''

پروردگار عالم اپنے حبیب کے صدقے میں اس ماہ مبارک کے صدقے میں ہمارے گناہانِ کبیرہ و صغیرہ کو معاف فرمائے۔ آمین

تحریر...... ہما بیگ

اضافہ ثابت ہوگی اور مجھے تمہارے ساتھ کام کر کے خوشی ہوگی۔'' فرقان مسکرایا۔ وہ واقعی بہت خوش ہوا تھا...... اور اس نے یہ جملہ صرف رسمی جملہ نہیں بولا تھا...... اس نے اپنے دس سالہ کیرئیر میں بے شمار لڑکیوں کو ماڈل بنایا تھا مگر زویا جیسا فگر، ہائٹ اور معصوم حسن آج سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بلاشبہ وہ اس کے لیے ترقیوں اور کامیابیوں کی سیڑھی ثابت ہوسکتی تھی۔

''ایک ایڈ کا کتنا پیسہ ملتا ہے ماڈل کو؟'' اس کی بات پر فرقان نے قدرے حیرت سے اپنے سامنے بیٹھی زویا کو دیکھا۔

''اس فیلڈ میں داخل ہونے والی نئی لڑکی یہ سوال نہیں کرتی ہم سے...... اس کا فیصلہ ہم کرتے ہیں کہ اسے کتنا دیا جائے۔''

''آپ اس فیلڈ میں آنے والی لڑکیوں کو کتنا دیتے ہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں...... مگر مجھے بہت زیادہ چاہیے۔'' زویا نے باور کروایا۔

''مثلاً کتنا چاہیے؟'' فرقان نے ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''بہت زیادہ کا مطلب ہوتا ہے بہت زیادہ...... فی الحال فوری طور پر مجھے تین لاکھ کی ضرورت ہے۔''

''ہوں...... تین لاکھ کی ضرورت ہے۔'' فرقان نے ٹیبل پر رکھی سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی اور لائٹر اٹھا کر

سگریٹ سلگایا اس کے پاس ہر دوسری لڑکی اپنی ضرورتوں کا سودا کرنے ہی آتی تھی۔ ''ضرورتیں کبھی کبھی انسان کو آسمان سے پاتال تک لے آتی ہیں...... اور کبھی پاتال سے آسمان کی جانب اچھال بھی دیتی ہیں، ضرورتوں کے اس کھیل میں انسان کب اندر جیتا، جیتا مر جاتا ہے کوئی نہیں جانتا مگر تمہیں یہ بات جان لینی ہوگی کہ جس فیلڈ میں تم قدم رکھنے والی ہو وہاں ضرورت تو آسانی سے پوری ہو جاتی ہے مگر عزت کو نیلام کرنا پڑتا ہے۔ دولت اور شہرت کی جگ مگ کرتی اس دنیا میں جگہ، جگہ عزتوں کے بازار لگتے ہیں۔ جگہ، جگہ تمہیں اپنی شرم وحیا کو بیچنا پڑے گا خود کو اندر سے مارنا پڑے گا۔''

''مجھے بس پیسہ چاہیے، اس کے لیے چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے...... میں کرنے کو تیار ہوں۔'' زویا کے لہجے میں تلخی تھی۔

''ٹھیک ہے' مجھے دبئی کے ایک فیشن میگزین کے لیے بولڈ فوٹو شوٹ کروانا ہے، اس شوٹ کے لیے مجھے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی...... بولڈ فوٹو شوٹ...... مطلب سمجھتی ہو ناں اس کا؟'' فرقان نے ٹیبل پر جھک کر سگریٹ کے کش لیتے ہوئے گہری نظروں سے زویا کو دیکھا۔

''ہاں سمجھتی ہوں، کب کرنا ہے؟'' وہاں ایک پتھر دل زویا بول رہی تھی...... جو اپنی ہر بات پر فرقان کو حیران کر رہی تھی...... یہ وہ زویا ہرگز نہیں تھی جو دو مہینے پہلے سر پر چادر اوڑھے، نظریں جھکائے اس کے آفس میں بطور ریسپشنسٹ انٹرویو دینے آئی تھی...... یہ زویا تو زمانے کی آگ میں جھلسی ہوئی زویا تھی۔ بے حیا اور بے شرم زویا......

اس نے بہت سال پہلے کہیں پڑھا تھا دکھ انسان کو یا تو ریت کی دیوار کی طرح ڈھا دیتا ہے یا چٹان کی طرح کھردرا اور سخت بنا دیتا ہے۔ اس کا وجود ریت کی دیوار کی طرح کئی بار گرا تھا مگر وہ ہر بار نئے حوصلے کے ساتھ اپنے بکھرے وجود کو جوڑ لیا کرتی تھی۔ دکھوں کے کئی موسم اس کے دل پہ بارہا گزرے تھے۔ وہ تب بھی اس طرح نہیں ٹوٹی تھی مگر اب وہ ٹوٹ گئی تھی۔ محبت نے اسے توڑ دیا تھا' اسے اندر سے ختم کر دیا تھا...... جس دن خضر چپ چاپ رشتہ توڑ کر اپنی ماں کے ساتھ ان کے گھر سے نکلا تھا اس وقت زویا کا دھڑکتا دل بھی اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا جو صرف خضر کے لیے دھڑکا کرتا تھا جو صرف اسی کا نام لیا کرتا تھا۔ زویا اسی وقت مر گئی تھی...... اب اس کے وجود میں ایک نئی زویا نے جنم لیا تھا...... یہ زویا ایک چٹان کی طرح تھی...... سخت اور کھردری۔

''میں آج تمہارا پورٹ فولیو بنواتا ہوں...... پھر دیکھتے ہیں شوٹ کب کرنا ہے۔'' فرقان صاحب نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور اپنا موبائل اٹھا کر کسی کو کال ملانے لگے۔

☆☆☆

''اسجد شادی کر رہا ہے۔ دو ہفتے کے بعد اس کا نکاح ہے اس کی خالہ کی بیٹی کے ساتھ اور یہ نکاح اسجد کی پسند سے ہو رہا ہے' اسی لیے بہت مصروف ہے آج کل وہ...... یہ ساری معلومات مجھے کل افشاں نے دی ہے۔'' حنا نے چائے کا کپ سارہ کے آگے رکھا اور خود بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے، میری زندگی برباد کر کے وہ خود کیسے آباد ہو سکتا ہے؟'' سارہ ورطۂ حیرت میں تھی۔

''دوسروں کو برباد کرنے والے اللہ کے قہر سے کب ڈرتے ہیں سارہ؟ مجھے تو تمہاری فکر کھائے جا رہی ہے، تم اب کیا کرو گی؟ اگر تم نے مجھے پہلے اپنی اس ''حالت'' کے بارے میں کچھ بتایا ہوتا تو......'' حنا تاسف سے بولتی خاموش ہوگئی۔

''ایک جھوٹی محبت کے فریب میں جو ذلت مجھے ملی ہے وہ خدا کسی لڑکی کے مقدر میں نہ لکھے۔'' سارہ رونے لگی حنا کو اس کی حالت پر بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''سارہ میں تمہیں کیسے تسلی دوں؟ کون سے لفظ بولوں جس سے تمہاری پریشانی کم ہوجائے۔'' حنا نے تاسف سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

'' کچھ مت کہو، میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ مجھے تسلی یا دلاسا دیا جائے۔'' اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم بس ایک کام کرنا۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر حنا سے بولی۔

''کیسا کام......؟''

''اگر مجھے کچھ ہوجائے تو زویا آپی کو اسجد کے بارے میں سب کچھ بتادینا......مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں اپنے منہ سے انہیں اپنی بربادی کے قصے سناؤں۔''

''اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو، تم ایسی باتیں مت کرو۔'' حنا نے اسے ٹوکا۔

''میرے مرنے کے بعد میری مغفرت کی دعا ضرور کرنا......میں بہت گناہ گار ہوں۔'' سارہ نے حنا کے ہاتھ تھامتے ہوئے التجا کی۔

''پلیز ایسی باتیں مت کرو سارہ، اللہ اس شخص کو غرق کرے جس نے تمہاری زندگی برباد کی، میں تو سمجھتی تھی کہ اسجد تم سے سچی محبت کرتا ہے میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی محبت کے پیچھے اتنا مکروہ چہرہ بھی ہوسکتا ہے؟'' حنا کے لہجے میں اب بھی بے یقینی تھی۔

''اس میں بھی میرا ہی قصور ہے، نہ میں اس پر یقین کرتی نہ وہ میرے یقین کی دھجیاں اڑاتا۔''

''اور اب وہ خبیث، بے غیرت کئی لڑکیوں کی زندگی برباد کرکے اپنی بیوی سے کہے گا تم ہی میری پہلی اور آخری محبت ہو۔'' حنا کو اسجد پر شدید غصہ آرہا تھا۔

''میں نے اس کی بہت منتیں کیں، بہت التجائیں کیں......اس سے کہا چاہے تھوڑے عرصے کے لیے ہی سہی تم مجھ سے نکاح کرلو مگر میری کوئی فریاد اس کا دل موم نہ کرسکی......مجھے برباد کرکے اب وہ اپنی خوشیوں کی سیج سجارہا ہے۔'' سارہ کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے تھے۔ اس بار حنا اسے کوئی تسلی، کوئی دلاسا بھی نہ دے سکی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں، بہت دیر ہوگئی ہے۔'' سارہ نے سر پر چادر درست کی اپنے آنسو ایک بار پھر صاف کیے۔

''تھوڑی دیر اور بیٹھ جاتیں میرے پاس......؟'' حنا نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''نہیں، اماں انتظار کررہی ہوں گی......میں اب چلتی ہوں۔'' وہ اس سے ملنے کے بعد باہر نکل آئی، واپسی پہ اس نے ایک سپر اسٹور سے چوہے مار گولیوں کا ڈبا خریدا تھا......اور اپنے پرس میں چھپالیا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے غسل کیا اور نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی۔ دعا مانگتے ہوئے وہ بے اندازہ رورہی تھی۔

☆☆☆

فرقان، زویا کو مشہور ومعروف اسٹائلسٹ کے پاس لے گیا تھا......زویا کے بالوں کو ایک اسٹائلش سا ہیر اسٹائل دے دیا گیا تھا۔ اس کی بھوؤں کی شیپ بھی چینج کردی گئی تھی۔ فیشل اور ویکس کے بعد اس کا حسن مزید نکھر گیا تھا......فرقان خود اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''کیا خیال ہے، شوٹ آج ہی کرلیا جائے؟'' فرقان نے زویا سے پوچھا۔

''میں نے کہا ناں I am ready'' زویا کا جواب سن کر اس نے موبائل پر کسی کو فون کیا تھا اور فوٹو شوٹ کروانے کے متعلق کچھ ہدایات دی تھیں۔

میک اپ اسٹائلسٹ اب اس کے چہرے پر میک اپ کرنے میں مصروف تھا۔ ایک غیر اور نامحرم مرد کے ہاتھ

اس کے چہرے، اس کی گردن کو بار، بار چھو رہے تھے۔ مگر وہ بے حس بنی بیٹھی تھی۔

زویا کو بولڈ فوٹو شوٹ کے لیے جو ڈریس دیا گیا تھا وہ اتنا بے ہودہ اور واہیات تھا کہ ایک لمحے کے لیے... اس کے اندر بچی کھچی شرم وحیا نے اسے غیرت دلائی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنی شرم کا بھی گلا گھونٹ دیا تھا۔ اب اس کا ہوش ربا حسن عنقریب شوبز کی دنیا میں تہلکہ مچانے والا تھا۔ فوٹو گرافر اس کو طرح، طرح کے پوز بتا رہا تھا اور بنوا رہا تھا۔ زندگی میں اس نے کبھی کوئی گھٹیا فیشن نہیں کیا تھا اور اب وہ عریاں پنڈلیوں کے ساتھ لمبی ہیل پہنے کبھی کس انداز میں کھڑی ہو رہی تھی اور کبھی کس انداز میں...... جانے وہ کون سا احساس تھا جو اس سے اپنے سامنے کھڑے چار نامحرم مردوں کے سامنے اتنی ڈھٹائی سے سب کچھ کروا رہا تھا...... زندگی بہت بڑا امتحان لے رہی تھی اس سے۔

یہ زندگی اِک امتحان ہی تو ہے، اس کے کئی سوال ہم آسانی سے حل کر لیتے اور کچھ سوالوں کے جواب ہمیں نہیں آتے اور ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور پاسنگ مارکس حاصل کرنے کے لیے کچھ سوالوں کو حل کرتے، کرتے ہم خود الجھ جاتے ہیں۔ زندگی وہ امتحان ہے جہاں نقل نہیں چل سکتی...... اس امتحان کے پرچے کو خود ہی حل کرنا ہوتا ہے۔ زویا بھی زندگی کے امتحان کو حل کرتے، کرتے اس کے سوالوں میں الجھ گئی تھی۔ وہ پاسنگ مارکس حاصل کرنے کے لیے خود کو فیل ہونے سے بچانے کے لیے یہ سب کر رہی تھی۔ مجبوریوں نے بہت بڑی قربانی مانگ لی تھی اس سے...... سو وہ یہ قربانی دے رہی تھی اور خود کو ذلیل کر رہی تھی۔ خود کو بے حیا ثابت کر رہی تھی، چند گھنٹوں کے بعد زویا کی زندگی کا پہلا بولڈ فوٹو شوٹ مکمل ہو گیا تھا۔

"I cant believe that you did such a great photoshoot"

فرقان از حد خوش تھا، وہ اس شوٹ سے بہت زیادہ پیسہ کمانے والا تھا۔

فرقان اس کے کندھے پر بازو ڈالے اسے اپنے آفس میں لے آیا تھا۔ زویا اپنی تصویریں دیکھ کر خود بھی حیران رہ گئی تھی فرقان کی بات پر اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ آفس میں آ کر اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھ کر فرقان نے ٹیبل کی دراز سے اپنی چیک بک نکالی تھی۔

''تین لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی میں نے اپنے کیریئر میں کبھی کسی new comer model کی یوں منہ مانگے ڈیمانڈ پوری نہیں کی جس طرح تمہاری کر رہا ہوں، تم نے جس انداز سے اور جتنا اچھا فوٹو شوٹ کروایا ہے۔ you did such a great job بہت خوشی ہوئی مجھے۔'' فرقان نے چیک لکھ کر اپنے سامنے بیٹھی زویا کی طرف بڑھایا۔

''تھینکس......'' زویا نے ہاتھ بڑھا کر چیک پکڑتے ہوئے کہا۔ ''ضرورتیں کبھی، کبھی سوچوں کو بھی محدود کر دیتی ہیں، تین لاکھ سے میری صرف ضرورت پوری ہو گی، آئم شیور آپ کی اس شوٹ سے ضرورتوں کے ساتھ خواہشیں بھی پوری ہوں گی۔'' زویا نے جتانے والے انداز میں چیک لے کر اپنے پرس میں رکھ لیا تھا۔

فرقان کے لبوں سے ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

''میں جتنا سیدھا تمہیں سمجھ رہا تھا تم اتنی ہو نہیں...... تمہاری یہ بولڈنیس بہت جلد تمہیں شوبز میں ایک منفرد مقام دلائے گی۔'' فرقان نے ٹیبل کے قریب رکھی مشروب کی بوتل اٹھا کر ٹیبل پر رکھی...... اور دراز سے دو گلاس نکالے۔

''مجھے صرف شہرت نہیں چاہیے، بہت سارا پیسہ بھی چاہیے۔''

''اگر مجھے بنا کر رکھو گی تو ملے گا اور بہت زیادہ ملے گا...... بہر حال یہ بتاؤ شوبز میں اپنے اصلی نام سے آؤ گی یا......؟'' فرقان نے گلاس بھر کر زویا کی طرف بڑھایا۔

''گھر کی چار دیواری میں رہنے والی سیدھی سادی شرم وحیا کا پیکر زویا مر گئی ہے، اس بے حیا لڑکی کو زویا کا نام مت دیجیے گا...... زویا کی روح کو تکلیف ہو گی۔''

''دلنشیں'' تمہاری شخصیت کے حساب سے بیسٹ رہے گا یہ نام۔'' فرقان اپنا گلاس اٹھا کر چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا..... مگر زویا نے جواب نہیں دیا تھا۔ اس کی نظر اپنے سامنے رکھے گلاس پر گڑی تھی۔ جس میں ایک حرام مشروب اسے پینے کے لیے دیا گیا تھا۔

''میں اب چلتی ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' زویا اپنا پرس اٹھا کر چیئر سے اٹھی۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے دلنشیں......؟ آج میں بہت خوش ہوں اور یقیناً تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے۔ شہرت اور بہت سارا پیسہ تمہارے دروازے پر دستک دینے والا ہے۔'' فرقان نے زویا کی کمر کے گرد اپنا بازو پھیلایا... ''کیوں ناں اس خوشی کو سیلیبریٹ کیا جائے؟'' فرقان کے انداز میں اسرار پوشیدہ تھا۔

''ضرورتوں کی قیمت شرم و حیا بیچ کر دی جائے تو خوشی کے بجائے ماتم کیا جاتا ہے۔'' اس کے مرے ہوئے جلے ہوئے دل سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے...... ویسے بھی مجھے گھر جانے کی جلدی ہے اور یہ......'' زویا نے انکار کیا۔

''کیا ہر بار اچھا شوٹ کروانے پر مجھے آپ کے ساتھ اس طرح کی celebrations کرنا ہوں گی؟'' زویا کے تیکھے انداز پر فرقان نے قہقہہ لگایا۔

''تم عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہو اور ہونا بھی چاہیے، ہیرا ہمیشہ سب سے مختلف ہوتا ہے۔'' فرقان نے اس کی تعریف کی اور اسے لے کر صوفے کی طرف آ گیا۔

''دلنشیں...... ایسی چیزیں شوبز کا حصہ ہیں، ان چیزوں کو جتنی جلدی اپنا لوگی، اتنی ہی جلدی شہرت اور روپے پیسے کی دیوی تم پر مہربان ہوتی جائے گی۔'' فرقان اسے لے کر صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

''دیکھو، میں اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے لیے تمہیں سائن کرنا چاہتا ہوں، تم دیکھنا راتوں رات تمہیں شہرت کی بلندیوں پہ نہ پہنچا دیا تو میرا نام بھی فرقان حیدر نہیں......'' فرقان اصل موضوع کی طرف آیا۔ زویا نے اپنے پہلے شوٹ سے ہی اسے اتنا حیران کر دیا تھا...... آگے جا کر تو وہ اس کے لیے سونے کے انڈے دینے والی مرغی ثابت ہو سکتی تھی۔

''اس ملک کے مشہور و معروف ٹیکسٹائل انڈسٹری کے اونر داؤد چوہدری اور زارون چوہدری کی ٹیکسٹائل کی ونٹر اور سمر کلیکشن کے ایڈ میری ایجنسی ہی بناتی ہے، مجھے ان کی ونٹر کلیکشن کے ایڈ کے لیے ایک نئی اور خوب صورت ماڈل کی تلاش تھی۔ میں اس ایڈ کے لیے تمہیں سائن کرنا چاہتا ہوں اور اس ایڈ کے تمہیں دس لاکھ ملیں گے۔'' فرقان نے اسے تفصیل بتائی۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ کانٹریکٹ سائن کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' اس کے لبوں سے ادا ہونے والے جملے پر فرقان کا چڑھتا نشہ ختم ہو گیا تھا اور اس نے اٹھ کر ٹیبل سے فون کا ریسیور اٹھا کر اپنی سیکرٹری کو ہدایت کی تھی۔

''مس زویا کا کانٹریکٹ تیار کروائیں۔'' زویا کا ذہن دس لاکھ پر اٹکا ہوا تھا۔ دس لاکھ سے وہ اپنے گھر اور گھر والوں کی کون، کون سی ضرورت پوری کر سکتی تھی۔ وہ اس وقت یہ سوچ رہی تھی۔

پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد فرقان نے اس سے کانٹریکٹ سائن کروا لیا تھا۔ فرقان کا ڈرائیور اسے اس کے گھر ڈراپ کر کے گیا تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس نے گھر میں قدم رکھا تو سیما بیگم کو صحن میں ٹہلتے ہوئے پایا۔ زویا کو دیکھ کر وہ عجلت میں اس کی جانب لپکیں اور پریشانی میں زویا پہ سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''کہاں تھیں تم؟ صبح سے رات ہو گئی ہے، تمہارا فون بھی بند جا رہا تھا، میں تو پریشان ہو رہی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی کہ......'' اچانک سیما بیگم کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی زویا نے سر سے چادر اتاری تو اس کے کٹے ہوئے بال...... چہرے پر لگا میک اپ...... اس کا بدلا ہوا روپ...... سیما بیگم کو حیران و پریشان کر گیا تھا۔

''یہ...... یہ...... کک...... کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟'' زویا نے مطمئن انداز میں اپنے پرس سے تین لاکھ کا

چیک نکالا...... اوران کی طرف بڑھایا۔
"یہ تین لاکھ کا چیک ہے اسے صبح بینک سے کیش کروا کر اس خبیث ایس ایچ او کے منہ پر مار کر گلو اور خالد بھائی کو چھڑا لینا۔"
"مم...... مگر اتنی بڑی رقم کا بندوبست تم نے کیا کہاں سے؟" سیما بیگم کی حیرت اب بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔
"خود کو مار کر آپ کے بیٹے اور داماد کو بچالیا ہے میں نے...... کیا یہ جان لینا ہی کافی نہیں ہے آپ کے لیے......" زویا چادر اتار کر کمرے میں آ گئی۔
"نہیں، نہیں ہے کافی میرے لیے...... مجھے بتا کر کون سا غلط کام کر کے آئی ہے تو......؟" سیما بیگم نے روتے ہوئے زویا کا بازو پکڑا اور اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔
"بتا مجھے کہاں منہ کالا کر کے آئی ہے؟ زویا مجھے بتا یہ رقم کہاں سے آئی تیرے پاس؟" اب کے سیما بیگم روتے ہوئے چیخیں۔
"جس کمپنی نے مجھے ماڈلنگ کی آفر کی تھی اس کمپنی کے لیے ماڈلنگ کر کے آئی ہوں، اب اس سے زیادہ سوال جواب مت کرنا اماں...... تھک گئی ہوں میں...... زارا بجو، میرے لیے اچھی سی چائے بناؤ۔" زویا انہیں جواب دے کر کمرے میں چلی گئی تھی۔
سیما بیگم جہاں کھڑی تھیں حیرت سے وہیں کھڑی رہ گئیں۔ دوسرے کمرے میں بیٹھی سارہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں کچھ چیزیں بالکل غیر متوقع ہو جاتی ہیں، کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں یا تو انسان کسی سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتا ہے یا ہمیشہ کے لیے کسی کے قریب آ جاتا ہے۔ ڈاکٹر عمر اور ایشال کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار تو نہیں کیا تھا مگر ان کے دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکنے ضرور لگے تھے۔
آج ایشال کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی سو وہ آج اسپتال نہیں آئی تھی اور ڈاکٹر عمر کا آج اس کے بغیر اسپتال میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ جنرل وارڈ اور ایمرجنسی وارڈ کا راؤنڈ لگانے کے بعد وہ اپنے روم میں آئے تو کافی بناتے ہوئے بے اختیار انہیں ایشال کی یاد آئی...... کچھ عرصے سے ان کے اور اپنے لیے کافی ایشال ہی بنانے لگی تھی۔ شاید وہ اس کے ساتھ، ساتھ اس کی کافی کے بھی عادی ہو گئے تھے۔
کافی بنا کر اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھ کر انہوں نے اپنا موبائل اٹھالیا اور ایشال کا نمبر نکال کر کال ملانے لگے مگر پھر اگلے ہی لمحے کچھ سوچ کر انہوں نے فون ٹیبل پر رکھ دیا اور دھیرے سے بڑبڑائے۔
"what's wrong with me now a days, why I am wishing for which is impossible to get" انہوں نے خود سے سوال کیا تھا جس کا ان کے دل نے جواب دیا۔
"یہ خواہش ایسی نہیں جو پوری نہ ہو سکے۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنے دل کو کوئی جواب دیتے، ان کے موبائل کی بیل بج اٹھی تھی۔ ان کے دوست ڈاکٹر اسد انہیں کال کر رہے تھے، ڈاکٹر عمر نے کافی پیتے ہوئے کال لی۔
"کیسے ہو، کیا ہو رہا ہے؟" ڈاکٹر اسد نے پوچھا۔
"ٹھیک ہوں...... اسپتال میں ہوں، فی الحال کافی پی رہا ہوں۔" انہوں نے سرسری سے انداز میں کہا۔
"لگتا ہے آج تم اکیلے بیٹھے بور ہو رہے ہو...... ایشال نے آج چھٹی کر لی ہو گی؟" ڈاکٹر اسد کے انداز میں

شرارت تھی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' وہ از حد حیران ہوئے۔

''تمہاری مرجھائی ہوئی آواز سے۔'' دوسری طرف سے مطمئن انداز میں جواب دیا گیا تو ایک دھیمی سی مسکراہٹ اُن کے لبوں کا احاطہ کرگئی۔

''اسد پتا نہیں کیا ہوگیا ہے مجھے...... وہ روز بروز میری زندگی میں اہمیت اختیار کرتی جارہی ہے...... وہ ہمیشہ سے میری تنقید کا نشانہ بنتی رہی ہے۔ مجھے زندگی میں اگر کسی پر اتنا غصہ آتا رہا ہے تو وہ بھی ایشال ہی تھی۔ اگر میں نے زندگی میں کسی کو ڈانٹا ہے تو وہ بھی ایشال ہی تھی، مجھے یہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ میرے غصے اور میری تنقید کی ہٹ لسٹ پر رہنے والی لڑکی میں ایسی کون سی مقناطیسی کشش ہے جو مجھ جیسے اسٹرانگ بندے کو ریزہ، ریزہ کرکے اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ ایسا کیا ہے اس میں...... جس نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میرے دل کے جو دروازے سبرینہ کے بعد بند ہوچکے تھے، وہ ایک مدت کے بعد ایشال کی آرزو نے کب اور کیسے کھول دیے...... مجھے پتا تک نہیں چلا...... یہ کیسے ممکن ہوا؟ مجھے سمجھ نہیں آرہا کیا کروں، کیسے اس الجھن سے نکلوں۔'' ڈاکٹر عمر کے لہجے میں شکست تھی، ہار تھی، بے یقینی تھی، حیرت تھی، وہ جو باتیں اتنے دنوں سے اپنے دل میں چھپائے بیٹھے تھے، یک لخت وہ اپنے دوست ڈاکٹر اسد کے سامنے عیاں کررہے تھے۔

''تم ایسا کرو یہ سب کچھ اسے صاف، صاف بتادو، اپنی دلی کیفیات سے اسے آگاہ کردو۔''

''یہ سب ایشال کو بتانا بہت مشکل ہے میرے لیے...... اور ویسے بھی ہمارے بیچ اچھا خاصا ایج ڈیفرنس ہے...... اور اسد اگر میری یہ فیلنگز یک طرفہ ہوئیں تو شاید میں کبھی اس کا سامنا نہیں کرسکوں گا۔'' وہ سخت الجھن کا شکار تھے۔

''عمر تمہیں یہ کب، کیوں، کیسے، اگر، مگر جیسے لفظ الجھاتے چلے جائیں گے، اس طرح تم اپنے ہی سوالوں میں الجھتے چلے جاؤگے۔ میری مانو تو وہی کرو جو میں نے تمہیں کہا ہے...... شادی تو ویسے بھی اسی سال تمہیں کرنی ہی ہے تو کیوں نہ اپنی پسند کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کرلو اور سبرینہ کی دی ہوئی تلخیاں بھلا کر اپنی خوشیوں کو سمیٹنے میں دیر مت لگاؤ۔'' ڈاکٹر اسد انہیں سمجھا رہے تھے...... اور وہ اثبات میں سر ہلا کر چیئر سے اٹھ کھڑے ہوئے...... باہر اُن کے مریض ان کا انتظار کررہے تھے۔

''اوکے، میں کوشش کروں گا وہی سب کرنے کی جو تم نے کہا ہے۔''

''ہاں بھئی، اب اس عمر میں عشق کروگے تو آپشنز تو نہیں ملیں گے ناں تمہیں۔'' ڈاکٹر اسد کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

''بکواس نہیں کرو، اب ایسا بڈھا بھی نہیں ہوا میں۔'' وہ جھینپ گئے۔

''چل ٹھیک ہے میں فون رکھتا ہوں۔'' ڈاکٹر اسد نے ہنستے ہوئے فون بند کردیا تھا تو وہ مسکراتے ہوئے اپنے روم میں آگئے۔

☆☆☆

اقصم کے گائے گانوں اور اس کی خوب صورت آواز نے میوزک چینلز کے چارٹس پر دیگر سنگرز کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ اس کے پہلے ہی سونگ نے اسے راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچادیا تھا...... بہت سی ملٹی نیشنل کمپنیاں اس کے البم اسپانسر کرنے کے لیے بے تاب نظر آرہی تھیں...... اقصم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، اس نے تو کبھی سوچا تک نہیں تھا کہ شوق ہی شوق میں گاتے، گاتے ایک دن اس کا گایا گانا اور اس کی وڈیو ریلیز ہوگی اور وہ ریلیز ہوتے ہی اتنا پاپولر ہوجائے گا...... اسلام آباد میں ہونے والی میوزیکل نائٹ میں اقصم دیگر مشہور سنگرز کی موجودگی میں ہزاروں کی تعداد میں جمع کراؤڈ کے سامنے اپنی کامیاب اور یادگار پرفارمنس دے کر واپس لاہور آیا تو

آتے ہی وہ خوشی سے کاشانہ عمر، مناب سے ملنے آیا۔

''مناب...... کہاں ہیں آپ؟'' وہ بچوں کی طرح پُر جوش انداز میں لاؤنج میں داخل ہوا تو ساجدہ پھپھو کو لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے ہوئے پایا۔ ٹی وی پر کسی میوزک چینل پر اقصم کا گانا ہی لگا ہوا تھا جو ساجدہ بیگم خوشی سے سن بھی رہی تھیں اور دیکھ بھی رہی تھیں۔

''ارے میرا بچہ...... میرا اقصم......'' ساجدہ بیگم نے بے حد خوشی اور محبت سے اسے گلے سے لگایا۔ ''میرا بیٹا تو Celebrity بن گیا ہے ماشاء اللہ......'' ساجدہ بیگم نے اس کا ماتھا چوما۔

''بس پھپھو آپ سب کی دعائیں ہیں۔ یہ بتائیں مناب کہاں ہیں؟'' اقصم مسکرایا۔

''اپنے کمرے میں ہوگی۔''

''اوکے، میں ان سے مل کر آتا ہوں۔'' اقصم اسی طرح پُر جوش انداز میں ان سے ملنے کے بعد مناب کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ ناک کر کے جب وہ روم میں داخل ہوا تو وہ تیار ہو رہی تھی اور آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں بندے ڈال رہی تھی۔ اقصم مسکراتا ہوا پُر جوش انداز میں آگے بڑھا اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما دیا۔

''مناب...... مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں اس طرح سے فیمس (مشہور) ہو جاؤں گا...... مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔''

''نہیں یہ خواب نہیں، ایک خوب صورت حقیقت ہے اسٹوپڈ......'' مناب نے مسکراتے ہوئے اس کے بال بکھیرے۔

''اور میرے اس خواب کو ایک خوب صورت حقیقت میں آپ نے بدلا ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میں کتنا خوش ہوں۔'' اقصم نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کپل ڈانس کے انداز میں اسے گھما ڈالا تھا۔

''چھوٹو، تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں مجھے نظر آ رہی ہے تمہاری خوشی۔'' مناب ہنسی۔

''بس اب میری البم کے تمام سونگ آپ لکھیں گی۔'' وہ مناب کا ہاتھ پکڑے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''لو جی، یہ کام بھی اب مجھے کرنا پڑے گا۔'' مناب نے منہ پھلایا۔

''ہاں تو بھئی اس میں مشکل کیا ہے؟'' اقصم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''مشکل ہی تو ہے چھوٹو...... میں آج کل اپنے دوسرے سیریل کی آخری اقساط لکھنے میں بزی ہوں اور پھر شاید اگلے مہینے ولی پاکستان آ جائے تو......؟''

''بس آپ کی تان ولی بھائی پہ آ کر ٹوٹ جاتی ہے...... بس میں کچھ نہیں جانتا۔ پورے البم کے نہ سہی مگر کچھ سونگز آپ مجھے ضرور لکھ دیں گی ورنہ میں اپنا بوریا بستر اٹھا کر یہاں شفٹ ہو جاؤں گا۔'' اقصم نے دھمکی دی۔

''توبہ چھوٹو...... کتنے دھونسو ہو تم...... یاد کرو گے مجھے میری شادی کے بعد کوئی تمہارے یہ ناز نخرے نہیں اٹھانے والا۔'' مناب نے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا مگر اب اس کے چہرے سے دو منٹ پہلے والی خوشی اور جوش غائب ہو چکا تھا۔

''میرے البم کی ریلیز تک آپ اپنی شادی delay نہیں کر سکتیں؟''

''ارے واہ، میں کیوں کروں اپنی شادی ڈی لے......؟ ولی کے بس میں ہو تو آج ہی دوڑا چلا آئے امریکا سے۔'' مناب کے لبوں پر ولی کا نام لیتے ہی مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

''ویسے آپ لڑکیوں کو شادی کی کتنی جلدی ہوتی ہے ناں۔'' اقصم بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا اب بکواس نہیں کرو۔'' مناب مسکراتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کر ایک بار پھر شیشے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

یہ بتاؤ تمہاری اس professional singing کے بارے میں ماموں کا کیا ری ایکشن ہے؟''
مناب نے لپ اسٹک کی فائنل ٹچنگ کرتے ہوئے کمرے سے باہر جاتے اقصم سے پوچھا۔
''ہاں کہہ تو رہے تھے کہ میں نے تمہیں آکسفورڈ ایم بی اے کے لیے بھیجا تھا تاکہ تم واپس آکر میرا بزنس سنبھالو گے...... مگر تم نے اتنی تعلیم حاصل کر کے اپنے شوق کو پروفیشن ہی بنانا تھا تو آکسفورڈ جانے اور وہاں سے... ایم بی اے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟''
''تم ان کے اس رویے سے مایوس مت ہونا...... ان کا غصہ صرف وقتی غصہ ہے۔'' مناب نے لپ اسٹک لگانے کے بعد ہیر برش اٹھایا اور بالوں میں پھیرنے لگی۔
''ہاں جانتا ہوں میں...... اینی وے آپ کہیں جا رہی ہیں؟'' اقصم نے کمرے سے نکلتے ہوئے ایک لمحے کے لیے کھڑے ہو کر اسے سر تا پا دیکھا...... وہ ملٹی کلر کے لوز سے اسٹائلش کُرتے اور ٹائٹس کے ساتھ کندھے پر دوپٹا ڈالے ہمیشہ کی طرح ازحد جاذبِ نظر لگ رہی تھی۔
''ہاں، میں اور ایشو، علینہ کی بنائی ہوئی پینٹنگز کی ایگزیبیشن میں جا رہے ہیں۔''
''اس کا مطلب ہے کہ آج آپ کے ہاتھ کی بنی ہوئی کوئی چیز کھانے کو نہیں ملے گی؟''
''کم آن چھوٹو...... اب میری اور میری بنائی چیزوں کی عادت ختم کرنے کی کوشش کرو...... ورنہ میری شادی کے بعد تم کیا کرو گے؟'' مناب نے اسے غصے سے ڈپٹا۔
''خودکشی کر لوں گا۔'' اقصم غصے میں دہاڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

ایشال پہلے صبح سے دن کے تین بجے تک ڈاکٹر عمر کے ساتھ اسپتال میں رہا کرتی تھی، اب وہ شام سے لے کر

رات کی شفٹ میں بھی ان کے ساتھ آنے لگی تھی۔ وجہ یقیناً یہی تھی کہ اسے بھی ڈاکٹر عمر کی کمپنی میں رہنا اچھا لگنے لگا تھا۔ ان کے ساتھ صبح سے لے کر رات تک ڈیوٹی دیتے ہوئے ایشال کو اب بوریت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ایک انوکھا اور خوب صورت سا احساس تھا جو ایشال کو ان کے آس پاس رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ آہستہ، آہستہ اس کے دل میں ڈاکٹر عمر کے خلاف جو بدگمانی تھی اس کی جگہ اب ایک خوشگوار سے احساس نے لے لی تھی' وہ احساس جو ہر وقت اسے ڈاکٹر عمر کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنے پر اکساتا رہتا...... ڈاکٹر عمر کو اس کے بچکانہ انداز و اطوار پہ غصہ آیا کرتا تھا، اب وہ خود ہی سنجیدہ سی ہو گئی تھی...... ڈاکٹر عمر کو اس کے بے ہودہ لباس پر اعتراض ہوا کرتا تھا، اس نے معقول لباس کے ساتھ دوپٹا لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے پروفیشن کو سیریس نہیں لیتی تھی، اب اس نے اپنے پروفیشن کو سیریس لیتے ہوئے اپنی ڈیوٹی تک بڑھالی تھی۔

ڈاکٹر عمر کو سادہ غذا اور گھر کا پکا ہوا کھانا پسند تھا سو اتوار کا دن زیادہ تر وہ کچن میں اسلم سے نت نئی ڈشز سیکھتے ہوئے گزارتی تھی۔ اس نے غیر ارادی اور لاشعوری طور پر خود کو ڈاکٹر عمر کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

آج اس نے بہت دنوں کے بعد بلیک چوڑی دار پاجامے پر بلیک ہی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس کے گلے اور بازوؤں پہ خوب صورت پنک اور یلو کامبی نیشن میں ایمبرائڈری تھی۔ کندھوں پر پنک اور یلو ٹائی اینڈ ڈائی کا دوپٹا لیے، لبوں پر پنک لپ اسٹک لگائے بالوں کو اکٹھا کر کے ایک طرف کندھے پر ڈالے وہ ڈاکٹر عمر کے دل میں اتری جا رہی تھی۔

رات اسپتال سے واپسی پہ نہ جانے انہیں کیا ہوا تھا کہ ڈاکٹر عمر نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک لی تھی۔

''مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے...... کیوں نہ یہاں اچھا سا ڈنر کیا جائے؟'' ڈاکٹر عمر نے اپنے ساتھ بیٹھی ایشال سے کہا۔

''اوکے، ایز یو وش......'' وہ دونوں گاڑی سے نکل کر ریسٹورنٹ میں آ گئے تھے، ڈاکٹر عمر کو ایسی کوئی خاص بھوک نہیں لگی تھی' وہ صرف ایشال کے ساتھ چند لمحے اکیلے میں گزارنا چاہتے تھے۔

''کیا کھاؤ گی تم؟'' ٹیبل پر جا کر مینو کارڈ اٹھا کر انہوں نے ایشال سے پوچھا تھا۔

''آپ اپنی پسند سے کچھ بھی منگوالیں...... میں کھالوں گی۔'' ایشال نے اپنی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں، تم اپنی پسند سے کچھ منگوالو......'' انہوں نے اصرار کیا تو ایشال نے اپنی پسند کی دو ڈشز کا آرڈر دیا۔ ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تھا۔

اب ڈاکٹر عمر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس سے کیا بات کریں...... وہ کھسیا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

ایشال نے ایک نظر انہیں دیکھا اور مسکرا کر سر جھکا گئی۔

''زارون اور عنایہ کیسے ہیں؟ آج کل کس ملک میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے ان دونوں نے؟''

''ٹھیک ہیں اور بہت خوش بھی...... آج کل اٹلی میں ہیں۔''

''اور نانو کیسی ہیں؟'' ایشال نے ان کے اس سوال پر انہیں مسکرا کر دیکھا۔

''ابھی کل ہی تو آپ سے ملے تھے۔''

''ہاں وہ...... میں......'' وہ گڑبڑا گئے تھے۔

''میں نے اسلم سے کچھ ڈشز سیکھی ہیں، آپ اس سنڈے کو گھر آئیں، میں آپ کو انوائٹ کر رہی ہوں۔''

''ویل آف کورس'' ڈاکٹر عمر مسکرائے۔

''موسم کافی چینج ہو گیا ہے اور تم نے کوئی سوئیٹر تک نہیں پہن رکھا؟''

''وہ جلدی میں یاد ہی نہیں رہا۔'' ایشال نے انگلیاں مسلتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''خیال رکھو اپنا، آج کل کی سردی بیمار کر رہی ہے لوگوں کو۔'' ان کے نارمل اور مختصر سے جملے نے ایشال کو دھیرے سے باور کروایا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلا گئی۔

''کتنے ان رومینٹک ہیں ڈاکٹر عمر......'' ایشال نے دل میں سوچا۔

''میں کافی بورنگ اور ان رومینٹک سا انسان ہوں...... یقیناً تم بور ہو رہی ہو......؟'' ڈاکٹر عمر دھیرے سے مسکرائے۔ اتنے میں ویٹر آ کر کھانا سرو کرنے لگا۔

''نن...... نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' ایشال نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

ویٹر کھانا سرو کر کے جا چکا تھا۔ اب دونوں آمنے سامنے بیٹھ کھانا کھانے لگے۔

''تمہیں تو بہت بھوک لگا کرتی تھی اب اتنا کم کیوں کھانے لگی ہو؟'' انہوں نے اس کی پلیٹ کو دیکھ کر کہا۔ وہ کھانا کھا نہیں رہی تھی بلکہ چکھ رہی تھی۔

''وقت انسان کو اور اس کی عادات کو کیسے بدل دیتا ہے یہ جاننا کبھی، کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ تم بہت بدل گئی ہو ایشال!'' ڈاکٹر عمر نے لحظہ بھر اپنے سامنے بیٹھی اس خوب صورت سی لڑکی کو دیکھا جس نے دھیرے، دھیرے خود کو ان کی پسند کے مطابق ڈھال کر چپکے سے ان جیسے سخت مزاج شخص کے دل کو پھر سے دھڑکنا سکھا دیا تھا۔ ان کی خزاں جیسی زندگی میں وہ بہار بن کر آ گئی تھی، ان کی مختصر سی سوچوں کو پھر سے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا...... ان کے برف جیسے احساسات کو پھر سے شبنم کا روپ دے دیا تھا۔

''ساری زندگی انسان ایک جیسا تو کبھی نہیں رہتا۔'' ایشال نے نیپکن سے منہ صاف کیا۔

''مگر میں یہ چاہوں گا کہ تم ہمیشہ ایسی ہی رہو جیسی اب ہو...... حساس، ذمے دار اور اپنے پروفیشن سے بے حد مخلص......'' ان کی تعریف پہ ایشال کو ازحد خوشی ہوئی...... ان کی نگاہوں میں اپنے لیے ایشال کو ایک عجیب سا جذبہ دکھائی دے رہا تھا...... ان کے لہجے میں اسے اپنے لیے محبت چھپی دکھائی دی تھی۔

''مگر یہ سب میں نے آپ کے ساتھ رہ کر سیکھا ہے، آپ کی ڈانٹ جو کبھی مجھے بہت بری لگا کرتی تھی، اس ڈانٹ نے مجھے سنوارا ہے، اگر میں آپ کے ساتھ کام نہیں کرتی تو شاید ساری زندگی مجھ میں یہ تبدیلی نہ آتی۔ میں کبھی چینج نہیں ہوتی۔''

ایشال کے سچ پر مسکراتے ہوئے انہوں نے غور سے اسے دیکھا۔ اور بے اختیار ان کا جی چاہا کہ وہ کبھی ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو، بلیک کلر میں اس کا حسن مزید نکھر سا گیا تھا۔

''بلیک کلر تم پہ بہت سوٹ کرتا ہے اسے اکثر پہنا کرو۔'' بے اختیار دل کی فرمائش لبوں تک آ گئی تھی اور اب ڈاکٹر عمر کو اپنی بے اختیاری پہ عجیب سی شرمندگی ہو رہی تھی جبکہ اُن کے اس تعریف میں لپٹے جملے نے ایشال کو اندر تک سرشار کر دیا تھا...... وہ بلش ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر عمر کی نظروں سے ان کی تعریف پہ اس کے چہرے پر ایک دلفریب سا تبسم آ کر ٹھہر گیا تھا...... ڈاکٹر عمر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھے گئے۔ ان کی نظریں ایشال کے بلش ہوتے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں، اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتے، ان کے موبائل کی بیل بج اٹھی تھی۔

''مما کال کر رہی ہیں۔'' ڈاکٹر عمر نے موبائل کان سے لگایا۔

''مما میں ٹھیک ہوں، ڈنر کر رہا ہوں، جی ایشال میرے ساتھ ہے، میں آ رہا ہوں آپ پریشان مت ہوں۔''

ڈاکٹر عمر نے فون بند کیا...... اور کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''پھپھو پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

''ہاں، رات کو واپسی پر میں آدھا گھنٹا بھی لیٹ ہو جاؤں تو مما پریشان ہو جاتی ہیں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ایشال کو بتایا۔

''پھپھو بہت لونگ ہیں۔'' ایشال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور تم سے تو کچھ زیادہ ہی محبت کرتی ہیں، بائی داوے تم کافی دنوں سے گھر کیوں نہیں آئیں؟ کسی دن ویک اینڈ پر آؤ اور ان کے ساتھ ٹائم اسپنڈ کرو۔'' ڈاکٹر عمر نے والٹ نکالتے ہوئے کہا۔ شاید وہ خود بھی اسے اپنے گھر میں اپنے آس پاس اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتے تھے۔

''پھپھو سے کہیے گا یہ ویک اینڈ میں ان کے ساتھ گزاروں گی۔'' ڈاکٹر عمر نے بل ادا کیا اور وہ دونوں باتیں کرتے، کرتے ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئے۔

''پرسوں میں اسلام آباد ایک سیمینار اٹینڈ کرنے جا رہا ہوں، اگر تمہاری کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو تم بھی چلو میرے ساتھ......؟ تمہیں ایسے سیمینار اور کانفرنس اٹینڈ کرنی چاہئیں۔ تمہارے کیریئر کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔'' ڈاکٹر عمر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ایشال سے کہا۔

''مصروفیت تو کوئی خاص نہیں میری...... ٹھیک ہے میں بھی چلی چلوں گی۔'' ایشال کا جواب سن کر انہیں.... بے حد خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

تین لاکھ ادا کرنے کے بعد گلو اور خالد گھر آ چکے تھے، اسی شام خالد، ثناء اور اپنے چاروں بچوں کو لے کر اپنے ماں، باپ کے پاس چلا گیا تھا۔ سیما بیگم کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

گلو بھی زویا کا ممنون و مشکور ہو رہا تھا...... زویا نے فرقان سے کہہ کر کسی بہتر جگہ پر فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ انہوں نے وہ محلہ چھوڑ دیا تھا۔ سارہ بہت خاموش ہو گئی تھی۔ اب باقاعدگی سے نماز پڑھتی اور اپنی عبادت میں مشغول رہتی...... زویا نے فرقان سے کہہ کر گلو کو کسی دوسرے ملک بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ جب سے وہ رہا ہو کر آیا تھا اسے ٹیپو کی طرف سے مسلسل قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں۔ گھر کے حالات ایک بار پھر بہتر ہو رہے تھے، زویا نے فرقان سے کچھ رقم ادھار کے طور پر لی تھی جس کی بدولت انہوں نے فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔

اس روز زویا نے سارہ کے مکمل چیک اپ کے لیے شہر کے سب سے بہترین میڈیکل اسپیشلسٹ سے وقت لے لیا تھا۔ مگر سارہ، زویا کے بے حد اصرار کے باوجود اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ زویا کو بھی شوٹ پر جانا تھا سو وہ سارہ کا مکمل چیک اپ کا پروگرام کینسل کر کے خود شوٹ پر چلی گئی تھی جہاں فرقان بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

داؤد کلیکشن اور رزارون کلیکشن کے ونٹر پرنٹس کے لیے فرقان کو ایڈ تیار کرنا تھا، لاہور کی تاریخی عمارت پہ زویا کو اس مشہور ٹیکسٹائل کے کپڑے پہن کر مختلف شارٹس دینے تھے، دو دن میں اس ایڈ کی آؤٹ ڈور شوٹنگ مکمل کر کے فرقان کو اسی ہفتے یہ ایڈ تیار کروا کر ٹی وی پر چلانا تھا...... سو اس کی پوری ٹیم کے ساتھ، ساتھ زویا کی بھرپور دلچسپی سے نہایت خوب صورت شارٹس مکمل کر لیے گئے تھے۔ زویا اس ایڈ میں اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ فرقان بھی اسے دیکھ کر سحر زدہ ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک مشہور اسٹائلسٹ سے زویا عرف دلنشین کی گرومنگ کروانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فرقان کو اس کی تصویریں اور ایڈ تیار کرنے کے دوران ہی بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ دلنشیں کے منظرِ عام پر آتے ہی اس کی ایڈورٹائزنگ کمپنی کو کتنا فائدہ ہونے والا تھا۔

(جاری ہے)